© rasailojaraid.com

دارالعلوم دیوبند

مولانا سید محمد میاںؒ

سلطنت مغلیہ کے آخری چراغ کو گل ہوئے ۱۳ سال گزر گئے، ہندو اور مسلمان حریت اور اشخاص وطن کی آخری جدوجہد میں ناکام ہو چکے، سبز رنگ کا قومی نشان صلیبی نشان کے سامنے سرنگوں ہو چکا، دہلی کے لال قلعہ پر اسلامی پرچم کی بجائے یونین جیک لہرا رہا ہے، ایک ایک کر کے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا جلاوطن کر دیا گیا جس نے تحریک حریت میں کوئی بھی جدوجہد کی تھی، سینکڑوں علماء نے دار ورسن کی مظلومانہ موت کو لبیک کہا اور جام شہادت پی کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ ہزاروں خاندان ہیں جو جاہ وجلال کی سربلندیوں کی بجائے بے کسی، تباہی اور خانہ بربادی کی پستیوں میں گر کر ﴿ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة وكذلك يفعلون﴾ (سورۃ النمل: ۳۴) کے فطری اصول کا تختہ مشق بن چکے، مختصر یہ کہ انقلاب کی تباہ کاریوں نے مسلمانوں کو اس درجہ پیس ڈالا کہ عمل تو در کنار، سیاست کے نام سے بھی وہ لرزنے لگے۔

خفیہ پولیس کے انسانیت سوز کارناموں نے اوقات سحر میں بھی بددعا کو موت کے مترادف بنا دیا تھا، ہندوستان کے طول وعرض پر عیسیٰ مسیح کے مذہب کا جھنڈا لہرانے کے شوق میں عیسائی اور مسلم نما پادری سانپ بچھو کی طرح ظلمت کدہ ہند کے چپہ چپہ میں رینگنے لگے، نظام تعلیم کی تباہی نے ایک عام جہالت کی چادر تمام ہندوستان پر تان دی، شاہ عالم کے معاہدہ کے برخلاف حکومت کی زبان انگریزی قرار دے کر عربی اور فارسی کے تمام مکاتب ومدارس کو پیغام فنا سنا دیا گیا، علمائے ملت کو دیہات کے جاہلوں سے بھی زیادہ بے حیثیت بنا دیا گیا تھا، اسکولوں اور کالجوں کا کورس وہ تجویز کیا گیا جو مسلمان بچوں کو اگر عیسائی نہ بنا سکے تو کم از کم ان کی رائے میں اتنی تبدیلی ضرور پیدا کر دے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں۔

ایک مصیبت تھی، تباہی تھی، جس میں مسلمانانِ ہند پہلی مرتبہ مبتلا ہوئے تھے، تمام چارے ختم ہو گئے تھے، تقدیر تدبیر پر غالب آ چکی تھی، حیرانی تھی کہ جب شجر اسلام کی آبیاری نہ ہو تو اسلام سوز بادسموم کے تیز وتند جھونکوں میں اس نخل نو کا بقا کہاں تک؟ ہاں کچھ وہ بھی تھے کہ ان کے مقدس ایمان کے نور فراست نے دیدۂ بصیرت کو اس قدر تیز کر دیا تھا کہ مستقبل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعید کو اپنے تدبر و تفکر کے آئینہ میں حال کی طرح دیکھ رہے تھے، دشمنان اسلام اگر چہ اسلام کے فنا کردینے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن اسلام اپنے پاکبازوں کے ذریعے سے اپنا اعجاز دکھانا چاہ رہا تھا اور بلاشبہ ایک جدید حیات کے لئے مچل رہا تھا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ان ہی پاکبازوں کی پیشانیاں سربسجود ہوئیں، اوقات سحر میں قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دست دعا بلند کئے گئے، ان کے تضرع اور ابتہال پر لطف الٰہی کا ترشح سرزمین ہند کی طرف منعطف ہوا اور ہندوستان میں تحفظ اسلام کی ایک تجویز پر عمل درآمد شروع ہوگیا، یوں کہو کہ رسالت عظمیٰ کے عہد مقدس کا ایک صفحہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

لائحہ عمل:......سیاست کے نام پر کوئی تحریک انگریزی پالیٹکس میں حرام تھی، تنظیم قوم، اول تو خود خطرناک چیز تھی، پھر کسی مقصد کے بغیر تنظیم ناممکن، تنظیم بذات خود کبھی بھی کامیاب نہیں، ہاں کوئی مقصد خود بخود تعلیم پیدا کردیا کرتا ہے، محض وعظ و تبلیغ یا فتاویٰ نویسی موجودہ نسلوں کے لئے مفید ہو جاتی ہے، مگر آئندہ کے لئے ان چیزوں میں تحفظ ملت کی کوئی قوت نہیں، ہاں ایک چیز اور صرف ایک چیز تھی جس کا نقشہ عہد رسالت (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) میں صفہ کی صورت میں نظر آتا تھا، اب اس کو مدرسہ کی شکل دی گئی، یعنی محض اللہ کے توکل پر مذہبی مدارس کا ایک سلسلہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو مسلمان اور اسلام کو اپنی حقیقت کے ساتھ باقی رکھ سکے، انگریزی کالجوں اور اسکولوں کے مقابلے میں ایسے مدارس کا قیام نہایت دشوار تھا، کیونکہ زمانے کا انقلاب، طبائع کا تغیر، انگریز کا اقتدار ایسے مدارس کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، علاوہ ازیں گورنمنٹ سے اس کا تعلق یہ معنی رکھتا تھا کہ انگریزی منشا کے بموجب مذہب کو مسخ کرنے کی ایک مشین بنائی جائے لیکن ان مقدس اکابر نے تحفظ ملت اور بقائے اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی، جفاکشی، فاقہ مستی اور ایثار کو منظور کیا اور محض اللہ پر بھروسا کرکے خاندان ولی اللہی کے جانشینوں نے سرزمین دیوبند، سہارنپور اور پھر مراد آباد کی طرف عنان جدوجہد کو منعطف کیا۔ دیوبند میں "دارالعلوم"، سہارنپور میں "مظاہر العلوم"، مراد آباد میں "مدرسہ قاسم العلوم" عرف مدرسہ شاہی قائم کیا گیا، ایک عجب کرشمہ ہے کہ ان مدارس میں "دارالعلوم" نے مرکزیت کی شان حاصل کرلی اور واقعہ تو یہ ہے کہ وہ عظمت حاصل کی جس کی نظیر سے مسلمانوں کی تاریخ خالی ہے۔

بے شک ہندوستان میں گیارہ سو برس مسلمانوں کی شان دار حکومت قائم رہی، مگر کیا کوئی درس گاہ ایسی ملتی ہے جس میں اہتمام کے ساتھ حدیث وتفسیر کی تعلیم ہوتی ہو، بے شک مدارس لاکھوں تھے، چپہ چپہ پر اسکول تھا، مگر افسوس ہندوستان کے طول وعرض میں دارالحدیث یا دارالتفسیر ایک بھی نہ تھا، ہاں بے شک مصر وبغداد میں بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہوئیں، جامع ازہر آج بھی اپنی جامعیت میں شہرۂ آفاق ہے، لیکن ان تمام کا قیام وبقا حکومت کے خزانوں پر تھا، سوال تو یہ ہے کہ بے کس وبے درماں مفلس قوم کا مدرسہ جو اپنی خدمات میں جامع ازہر و جامعہ نظامیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں پر بازی لے جائے، کیا اسلامی تاریخ میں اس سے پہلے کہیں وجود میں آیا ہے؟ بلاشبہ یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے، جو سرزمین ہند میں ظاہر ہوا اور جس نے تمام عالم اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بانیانِ دار العلوم: (۱)..... حضرت حاجی حافظ سید عابد حسین صاحب قدس سرہ العزیز: آپ کا تعلق سادات سے تھا، آپ صوفی منش، زاہد اور متقی بزرگ تھے، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری کا بیان ہے کہ ایک روز آپ کو بہت زیادہ رنجیدہ دیکھا گیا، کبیدگی اور افسردگی کی یہ حالت تھی کہ کسی نوجوان عزیز کی مرگِ ناگہانی کا شبہ ہوتا تھا، سبب دریافت کیا گیا تو بہت زیادہ اصرار کے بعد معلوم ہوا کہ اٹھائیس سال بعد آج جماعت صبح کی تکبیرِ تحریمہ فوت ہوگئی۔ (واقعہ یہ ہے کہ ۲۸ سال پابندی میں خلل در حقیقت دشۂ عظیم ہے) آپ تقویٰ طہارت کے باوجود ایک بہت بڑے عامل بھی تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

> ”دیو بند میں دینیات کی تعلیم کے لئے ایک مکتب کے قیام کا تخیل سب سے پہلے آپ ہی کے ذہن میں آیا، آپ نے دیو بند کے دوسرے بزرگ جناب مولانا مہتاب علی صاحب سے مشورہ کیا، مولانا مہتاب علی صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز کے عمِ اکبر (تایا) تھے۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب (والد ماجد سیدنا شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب) نے تحریر فرمایا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے مشورہ کرنے کے بعد ایک مکتب کے قیام کی تحریک کی۔“

(۲)..... چندہ کے لئے جس نے سب سے پہلے رومال پھیلایا اور جس نے سب سے پہلے چندہ دیا، وہ حضرت حاجی عابد حسین صاحب ہی ہیں، اس مکتب یا مدرسہ کے قیام کے بعد مولانا محمود عرف ملا محمود صاحب کو استاد کی حیثیت سے مقرر کیا گیا، یہ عجب اتفاق تھا کہ سب سے پہلے معلم بھی محمود اور سب سے پہلے طالب علم بھی محمود جو بعد میں ملت ہندیہ کے لئے آفتاب ہدایت بن کر جلوہ فرما ہوئے اور 1920ء میں مسلمانانِ ہند کی جانب سے متفقہ طور پر ”شیخ الہند“ کا عظیم الشان خطاب حاصل کیا۔

(۳)..... تیسرے بزرگ جن کو بانیان کے سلسلے میں شمار کرنا چاہئے، وہ جناب شیخ نہال احمد صاحب رئیس اعظم دیو بند تھے، آپ کے مورثِ اعلیٰ شیخ لطف اللہ صاحب تھے، جو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دیوان تھے، آپ کا شاہانہ محل اس وقت محلہ دیوان کے نام سے مشہور ہے جو دار العلوم دیو بند کی عظیم الشان تعمیر سے متصل ہے، جس جگہ دار العلوم کی قدیم تعمیر ہے، وہ شیخ نہال احمد صاحب اور ان کے اقاربؒ ہی کی زمین تھی، آپ کی سخاوت کی مثالیں آج تک زبان زد عام ہیں، بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ اس طرف سے گزرنے والی بارات کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور اس کی دعوت کی، جس وقت سیدنا حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز پنجاب جاتے ہوئے اپنے قافلے کے ساتھ دیو بند پہنچے ہیں تو شیخ صاحب موصوف نے کئی وقت تک میز بانی کی خدمت انجام دی تھی۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز سے شیخ صاحب کی ہمشیرہ منسوب تھیں اور پھر شیخ صاحب موصوف بھی حجۃ الاسلام کے بہنوئی ہوئے، ثانی الذکر رشتہ کی صورت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دیو بند میں عقد بیوگان کی تحریک کرتے ہوئے تقریر فرمائی تو مجمع میں سے ایک شخص نے حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کی ہمشیرہ خود بیوہ موجود ہیں، یہ محترمہ بیوہ ضرور تھیں مگر اس قدر سن رسیدہ کہ پلکیں بھی سفید ہوگئی تھیں، مگر جذبہ تبلیغ واصلاح اور صداقت ولولہ یہ تھا کہ جلسہ گاہ سے فوراً مکان پر تشریف لے گئے، ہمشیرہ محترمہ کے پاؤں میں دستار مبارک رکھ دی اور عرض کیا کہ ایک سنت کو زندہ کرنا آج آپ کے ہاتھ میں ہے، احیائے سنت اور ترویج شریعت کے لحاظ میں ہمشیرہ بھی آمادہ نکاح ہوگئیں، آپ مجمع میں واپس تشریف لائے اور شیخ صاحب موصوف سے عقد کردیا، احیائے سنت کی برکت تھی کہ اس قدر سن رسیدہ ہونے کے باوجود اللہ رب العزت نے اولاد عطا فرمائی۔

بلاشبہ دیوبند میں پاک باطن بزرگوں کی ایک جماعت تھی جس نے ایک مکتب کی بنیاد ڈالی، مگر جس مقدس بزرگ نے معمولی مکتب کے خاکے پر دارالعلوم جیسی عظیم الشان انقلابی درسگاہ کی بنیاد رکھی، وہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی ذات گرامی تھی، اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ دارالعلوم کے پرشوکت تصور سے حضرت حاجی صاحب کا ذہن خالی تھا، چنانچہ دارالعلوم کی تعمیر کا مسئلہ درپیش ہوا تو حاجی صاحب نے سختی سے مخالفت کی، حاجی صاحب کا اصرار یہی تھا کہ جامع مسجد کی سہ دریاں جو اسی خیال کے پیش نظر بنائی گئی تھی اس کے لئے کافی ہیں، مگر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے سامنے دنیائے اسلام کے ایک مرکز علوم کا نقشہ تھا، چنانچہ آج وہ سہ دریاں کسی ایک جماعت (کلاس) کے طلبہ کے لئے بھی کافی نہیں ہوسکتیں، صرف پچاس ساٹھ طلبہ ان سہ دریاں کے حجروں میں رہتے ہیں، اسی بناء پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ دارالعلوم کی عظمت موجودہ کے مؤسس اور بانی صرف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہیں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا مولد وموطن قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور تھا، آپ طلب علم کے سلسلے میں دہلی تشریف لے گئے اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے آپ کو رفاقت حاصل ہوگئی، ان دونوں بزرگوں کے ذہن وذکاوت کے متعلق کچھ لکھنا آفتاب کی رونمائی ہوگی، آج ہمارے پاس ان حضرات کی تصانیف موجود ہیں، وہ بزرگوں کی عظمت وجلالت کی نشان دہی کے لئے کافی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے درس کی اکثر کتب درسیہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے پڑھیں، جو اس مدرسہ کے مدرس تھے، جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی جانب سے علوم عربیہ دینیہ کی تعلیم کے لئے اس واسطے قائم کیا گیا تھا کہ نیم غلام مسلمانوں کے سامنے علم دوستی اور مذہب پروری کا مظاہرہ کرکے ان کو پورا غلام بنالیا جائے۔

مولانا مملوک علی صاحب کا وطن قصبہ نانوتہ تھا جو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا وطن تھا، آپ حضرت مولانا رشید الدین خان (دہلوی) کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا رشید الدین خان صاحبؒ سیدنا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کے شہرۂ آفاق شاگرد تھے، جو ہر فن میں یکتائے روزگار تھے اور خصوصاً رد شیعہ سے بہت زیادہ شغف تھا۔

حجۃ الاسلام اور امام ربانی کے دوسرے استاذ جناب مولانا مفتی صدر الدین صاحبؒ تھے، یہ بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مشہور ومعروف تلمیذ اور اسی خاندان کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے، سلسلۂ حدیث میں آپ دونوں حضرت سیدنا شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے شاگرد تھے، بہرحال دونوں بزرگ نیز حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (جو صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے مدرس اول ہوئے اور جو حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے خلف رشید تھے) ایک یا دو واسطے سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔

دیوبند کے امتیازات:..... قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ وجوہات کیا تھیں جن کی بناء پر دیوبند کو اس مرکز علوم کے لئے منتخب کیا، دیوبند پیشتر سے علمی امتیازات کا مالک نہیں تھا، نہ سرزمین دیوبند کسی قسم کی کوئی مرکزیت رکھتی تھی اور عجب اتفاق یہ کہ وہ تینوں علماء جن کے فیوض و برکات کے لئے ارض دیوبند مطلع اور مشرق بنی دیوبند کے باشندے بھی نہ تھے، ظاہری اسباب میں اس کا سبب وہی تعلق ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو جناب شیخ نہال احمد صاحب اور دوسرے بزرگوں سے تھا، لیکن اس موقع پر چند دیگر واقعات کا نقل کرنا بھی یقیناً اہل ذوق کے لئے دل چسپی اور فروغ ایمانی کا ذریعہ ہوگا۔

(۱)..... قیام دارالعلوم کے بعد اسی جماعت کے ایک بزرگ (حضرت حاجی رفیع الدینؒ) جب حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداداللہ مکی صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے، اس کے لئے دعا فرمائیے۔ حضرت حاجی صاحب نے دل چسپ انداز میں فرمایا:

> ”سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کرے، یہ مدرسہ ان ہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے، یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گراں قدر کو یہ سرزمین لے اڑی۔“

(۲)..... حضرت مولانا قاضی محمد اسماعیل صاحب منگوری اکابر اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، آپ کا زہد و تقویٰ شہرۂ آفاق ہے، حضرت مولانا سید غالب علی صاحب مرادآبادی قاضی صاحب موصوف کے خلیفہ تھے، مولانا غالب علی صاحب نے احقر سے فرمایا:

> ”دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد اور مظاہر العلوم سہارنپور کو آپ آج کل کے مدرسوں کی طرح نہ سمجھیں، حضرت پیر و مرشد (مولانا قاضی محمد اسماعیل صاحبؒ) نے فرمایا تھا کہ یہ مدارس خاص الہامات کے بموجب قائم کئے گئے ہیں۔“

(۳)..... حضرت حاجی رفیع الدین صاحب قدس سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہوئے ہیں، آپ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مدرسہ قائم فرمایا ہے، اس مدرسے میں ایک طالب علم سے شاہ رفیع الدینؒ صاحب کی ملاقات ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد جب دارالعلوم دیوبند قائم ہو چکا اور حضرت حاجی رفیع الدینؒ صاحب مہتمم بنائے گئے تو آپ نے ایک روز ایک طالب علم کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ وہی طالب علم ہیں جن کو میں نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدرسے میں دیکھا تھا۔

(۴)..... اس جگہ کوڑیاں پڑا کرتی تھیں جہاں آج یہ مدینۃ العلم ہے، حضرت سید احمد صاحب شہید قدس سرہٗ العزیز اس طرف سے گزرے تو فرمایا: ”یہاں سے علم کی بو آتی ہے۔“ اور اس کے قریب قیام فرمایا، اسی قسم کے اور بھی ایمان کو تازہ کرنے والے لطائف سنے گئے ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ....☆☆

© rasailojaraid.com